Fikr-o-Nasar (Islamabad) 13:10 (1976)

اقبال کے خطوط کے نظریاتی پہلو

کیپٹن محمد حامد

"اقبال رجعت پسند تھا، اقبال ملائیت کا علمبردار تھا۔ اور اسی نوع کے دوسرے فقرے بعض دانشوروں کے یہاں سننے میں آتے ہیں۔ اقبال کے خطوط کے مطالعہ سے پہلے میرا خیال تھا کہ شاید یہ دانشور اقبال کو پوری طرح سمجھ نہیں پائے ورنہ اقبال تو بڑا روشن خیال' واقع ہوا ہے۔ لیکن خطوط نے مجھے نئے انداز سے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ اقبال کے خطوط میں یہ فقرہ پڑھ کر میں چونکا

"مسلمانوں کا مغرب زدہ طبقہ نہایت پست فطرت ہے" (بنام مولینا سید سلیمان ندویؒ)

مولینا سید سلیمان ندویؒ کے نام اقبال نے بے شمار خطوط لکھے ہیں اور ان سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اقبال تھے ملا۔ اب چاہے آپ اسے اقبال کی تعریف سمجھیں یا کچھ اور۔ آپ اقبال سے اختلاف کر سکتے ہیں لیکن اقبال جو کچھ تھے انہیں اس سے مختلف ثابت کرنا علمی بد دیانتی ہوگی۔

اقبال کے خطوط سے ہمیں ان کی شخصیت کے مختلف گوشوں کے بارے میں جاننے کا موقع ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اقبال نے خطوط بغرضِ اشاعت نہیں لکھے تھے۔ ان خطوط میں ایک متوازن، علم دوست، نہایت حساس اور اسلام کے بارے میں شدید تڑپ کا اظہار کرنے والی شخصیت کا سراغ ملتا ہے۔

وہ سید سلیمان ندویؒ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:-

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں ممالک اسلامیہ کے موجودہ حالات دیکھ کر بے انتہا اضطراب پیدا ہو رہا ہے۔ ذاتی لحاظ سے خدا کے فضل و کرم سے میرا دل پورا مطمئن ہے۔ یہ بے چینی اور اضطراب محض اس وجہ سے ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل گھبرا کر کوئی اور راہ اختیار نہ کرلے۔ حال ہی میں ایک تعلیم یافتہ عرب سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ فرانسیسی خوب بولتا تھا مگر اسلام سے قطعاً بے خبر تھا۔ اس قسم کے واقعات مشاہدہ میں آتے ہیں تو سخت تکلیف ہوتی ہے"

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

ایک اور خط میں لکھتے ہیں :-

"دنیا اس وقت عجیب کشمکش میں ہے۔ جمہوریت فنا ہو رہی ہے اور اس کی جگہ ڈکٹیٹر شپ قائم ہو رہی ہے۔ جرمنی میں مادی قوت کی پرستش کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ سرمایہ داری کے خلاف پھر ایک جہادِ عظیم ہو رہا ہے۔ تہذیب و تمدن بالخصوص یورپ میں بھی حالتِ نزع میں ہے۔ غرض کہ نظامِ عالم ایک نئی تشکیل کا محتاج ہے۔ ان حالات میں آپ کے خیال میں اسلام اس جدید تشکیل کا کہاں تک ممد ہو سکتا ہے۔ اس بحث پر اپنے خیالات سے مستفیض فرمایئے اور اگر کوئی کتابیں ایسی ہوں جن کا مطالعہ اس ضمن میں مفید ہو تو ان کے ناموں سے آگاہ فرمائیں"۔

یہ دو مختلف خطوط کے اقتباسات ہیں اور ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال نہ صرف برصغیر بلکہ پورے عالمِ اسلام میں اسلام سے دوری پر کس درجہ بے چین تھے۔ یورپ کی تقلید کرنے والے نوجوانوں کو دیکھ کر انہیں بے حد دکھ ہوتا تھا۔ پھر وہ اس بات پہ یوں بھی مضطرب تھے کہ وہ مغربی تہذیب کو پوری دنیا کی اخلاقی نشو و نما کے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ تمدن مسلم ممالک کو اخلاقی اعتبار سے کھوکھلا کر دینے کے علاوہ کچھ دینے کے قابل نہیں۔ اسلام عصرِ حاضر کے مسائل کو کس طرح سلجھا سکتا ہے اس بارے میں ان کا تجسس قابلِ توجہ ہے۔ وہ مولیٰنا ندویؒ سے علمی رہنمائی کے طالب نظر آتے ہیں۔ عالمِ اسلام کی علمی قیادت کے لئے وہ برصغیر کے مسلمانوں سے اُمیدیں لگائے بیٹھے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مولیٰنا ندویؒ کے نام ایک اور خط میں یوں رقمطراز ہیں:۔

"میرے نزدیک اقوام کی زندگی میں قدیم ایک ایسا ہی ضروری عنصر ہے جیسا کہ جدید بلکہ میرا ذاتی میلان قدیم کی طرف ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ اسلامی ممالک میں عوام اور تعلیم یافتہ لوگ دونوں طبقے علومِ اسلامیہ سے بے خبر ہیں۔ اس بے خبری سے آپ کی اصطلاح میں یورپ کے معنوی استیلا کا اندیشہ ہے جس کا سدِّباب ضروری ہے۔ میرا ایک مدت سے یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جو سیاسی اعتبار سے دیگر ممالکِ اسلامیہ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے دماغی اعتبار سے ان کی بہت کچھ مدد کر سکتے ہیں۔ کیا عجب کہ اسلامی ہند کی آئندہ نسلوں کی نگاہوں میں ندوہ علی گڑھ سے زیادہ کار آمد ثابت ہو"۔

جہاں اقبال ندوہ کو علمی راہنمائی کا کام انجام دیتا دیکھنا چاہتے تھے وہاں وہ اس بات سے بھی بے خبر نہ تھے کہ علی گڑھ میں مغربی علوم کے باوجود مسلمان طلبہ کے دلوں میں اسلام کے لئے ایک ولولہ موجود ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ علماء وہاں جا کر طلبہ کو اسلام کے بارے میں بتائیں۔ اپنے ایک خط میں وہ مولیٰنا عبدالماجد دریابادی کو لکھتے ہیں:۔

"آپ کبھی کبھی علی گڑھ جایا کریں اور مذہبی مضامین پر طالب علموں سے گفتگوئیں کیا کریں تو نتائج بہت اچھے ہوں گے۔ باوجود بہت سی مخالف قوتوں کے جو ہندوستان میں مذہب کے خلاف (اور بالخصوص اسلام کے خلاف) اس وقت عمل کر رہی ہیں مسلمان نوجوانوں کے دل میں اسلام کے لئے تڑپ ہے لیکن افسوس کہ کوئی آدمی ہم میں نہیں جس کی زندگی قلوب پر موثر ہو۔"

اقبال نے محض لکھنے کی حد تک کام نہیں کیا بلکہ عملی طور پر ایک علمی اور اسلامی مرکز کے قیام کے لئے کوشش بھی کی۔ ان کی کوششوں کے نتیجے میں دارالاسلام (پٹھانکوٹ) کا قیام عمل میں آیا۔ چوہدری نیاز علی خان صاحب نے جو پنجاب میں خوشحال زمیندار تھے اور اقبال کے قریبی دوستوں میں سے تھے اسی مقصد کے لئے اپنی زمین وقف کر دی تھی۔ ان کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں :۔

"اسلام کے لئے اس ملک میں نازک زمانہ آرہا ہے جن لوگوں کو کچھ احساس ہے ان کا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کے لئے ہر ممکن کوشش اس ملک میں کریں۔ انشاء اللہ آپ کا ادارہ اس مقصد کو باحسن وجوہ پورا کرے گا۔ علماء میں مداہنت آگئی ہے۔ یہ گروہ حق کہنے سے ڈرتا ہے۔ صوفیاء اسلام سے بے پروا اور حکام کے تصرف میں ہیں۔ اخبار نویس اور آجکل کے تعلیم یافتہ لیڈر خود غرض ہیں اور ذاتی منفعت اور عزت کے سوا کوئی مقصد ان کی زندگی کا نہیں۔ عوام میں جذبہ موجود ہے مگر ان کا کوئی بے غرض راہنما نہیں ہے۔"

اس ادارے کو اقبال نے باہر کی دنیا میں بھی متعارف کروایا۔ اسی ادارے کے بارے میں علامہ مصطفیٰ المراغی شیخ الازہر کو لکھتے ہیں :۔

"ہم نے ارادہ کیا ہے کہ علوم جدیدہ کے چند فارغ التحصیل حضرات اور چند علوم دینیہ کے ماہرین کو یہاں جمع کریں۔ یہ ایسے حضرات ہوں جن میں اعلیٰ درجے کی ذہنی صلاحیتیں موجود ہوں اور وہ اپنی زندگیاں دینِ اسلام کی خدمت کے لئے وقف کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ہم ان کے لئے تہذیب حاضرہ کے شور و شغب سے دور ایک کونے میں ہوسٹل بنانا چاہتے ہیں جو کہ ان کے لئے ایک علمی اسلامی مرکز ہو اور ہم ان کے لئے ایک لائبریری قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں ہر قسم کی نئی اور پرانی کتاب موجود ہو اور ان کی رہنمائی کے لئے ہم ایک ایسا معلّم جو کامل اور صالح ہو اور قرآنِ حکیم میں بصیرت تامہ رکھتا ہو اور نیز انقلاب دورِ حاضرہ سے بھی واقف ہو مقرر کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ ان کو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے واقف کرے اور تفکر اسلامی کی تجدید یعنی فلسفہ، حکمت، اقتصادیات اور سیاسیات کے علوم میں ان کی مدد کرے تاکہ وہ اپنے علم اور تحریر

کے ذریعے تمدنِ اسلامی کے دوبارہ زندہ کرنے میں جہاد کر سکیں۔"

یہ کیا وجہ تھی کہ اقبال اسلام کے بارے میں تحقیق اور اسلامی فکر کے مطابق موجودہ علوم و فنون کو ڈھالنے کے لئے ایک مرکز کا قیام چاہتے تھے۔ اقبال اس موضوع پر ایک اور جگہ لکھتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اقبال تحقیق کے میدان میں یورپی مستشرقین اور اساتذہ کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے۔ اور کن وجوہات سے وہ اسلامی مرکز قائم کرنے کی فکر میں تھے۔ حافظ فضل الرحمٰن انصاری صاحب کے نام ایک خط میں جو کہ انہوں نے یورپ میں اسلام پر تحقیق کرنے کے بارے میں لکھا تھا یوں جواب دیتے ہیں:۔

"جہاں تک اسلامی ریسرچ کا تعلق ہے فرانس، جرمنی، انگلستان اور اٹلی کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے مقاصد خاص ہیں جن کو عالمانہ تحقیق اور احقاقِ حق کے ظاہری طلسم میں چھپایا جاتا ہے۔ سادہ لوح مسلمان طالب علم اس طلسم میں گرفتار ہو کر گمراہ ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں آپ کے بلند مقاصد پر نظر رکھتے ہوئے میں بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے لئے یورپ جانا بے سود ہے۔"

اس میں شک نہیں کہ اقبال نے برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی زندگی میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے قائداعظم کے نام جو خطوط لکھے ہیں ان سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی سیاسی حالت پر بے چین تھے اور چاہتے تھے کہ انہیں ایک الگ خطۂ ارض ایسا مل جائے جس میں وہ اسلام کے اصولوں کے مطابق اپنی زندگی بسر کر سکیں۔ خطبۂ الٰہ آباد میں بھی انہوں نے اپنی جذبات کا اظہار کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس معرکۃ الآرا خطبے کا ایک ایک لفظ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اسی خطبے میں وہ ایک جگہ کہتے ہیں کہ برصغیر کے مسلمانوں کی زندگی میں اسلام نے اہم کردار انجام دیا ہے اور جب بھی کبھی مشکل وقت آیا ہے تو اسلام ہی نے مسلمانوں کو بچایا ہے نہ کہ اس کے برعکس۔ وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ کچھ لوگ مسلمانوں کو سیاسی طور پر اس لئے آزاد دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ مادی اعتبار سے ترقی یافتہ ہو سکیں۔ اقبال اس نوع کی سیاسی آزادی کے خواہاں نہ تھے جس سے مسلمانوں کی تمدنی زندگی پر خوشگوار اثرات مرتب نہ ہوں اور اسلام کی حفاظت نہ ہو سکے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"میرے نزدیک تبلیغِ اسلام کا کام اس وقت تمام کاموں پر مقدم ہے۔ اگر ہندوستان میں مسلمانوں کا مقصد سیاسیات سے محض آزادی اور اقتصادی بہبودی ہے اور حفاظتِ اسلام اس مقصد کا عنصر نہیں ہے جیسا کہ آجکل کے قوم پرستوں کے رویّے سے معلوم ہوتا ہے تو مسلمان اپنے مقاصد میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ یہ بات میں علی وجہ البصیرت کہتا ہوں اور سیاسیاتِ حاضرہ کے تھوڑے سے تجربے کے بعد۔ ہندوستان کی سیاسیات کی روش جہاں تک مسلمانوں کا تعلق

ہے۔ خود مذہبِ اسلام کے لئے ایک خطرۂ عظیم ہے۔ میرے خیال میں شدھی کا خطرہ اس خطرے کے مقابلے میں کچھ وقعت نہیں رکھتا یا کم از کم یہ بھی شدھی ہی کی ایک غیر محسوس صورت ہے۔"

(میر سید غلام بھیک کے نام ایک خط)

اسلام کی تبلیغ اور اسلامی اصولوں کی نشرو اشاعت کا کام اقبال کے نزدیک سب سے اہم تھا اور وہ اسے اخروی نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ میر سید غلام بھیک کے علاوہ بھی انہوں نے بے شمار لوگوں کو خطوط لکھے اور ان سب خطوط میں اس بات پر خاص اصرار نظر آتا ہے۔ وہ سید غلام میراں شاہ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"خدا تعالیٰ آپ کو اس امر کی توفیق دے کہ آپ اپنی قوتِ ہمت، اثرو رسوخ اور دولت و عظمت کو حقائقِ اسلام کی نشرو اشاعت میں صرف کریں اس تاریک زمانے میں حضور رسالت مآب صلعم کے دین کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے۔"

حضور اکرمؐ کی ذات سے انہیں جو گہرا عشق تھا اس کی جھلکیاں ان کے سارے کلام پر محیط ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک سے انہیں جس حد تک عشق تھا سید غلام میراں شاہ کے نام ہی ایک دوسرے مکتوب میں اس کا اظہار یوں کرتے ہیں:۔

"میں تو اس قابل نہیں ہوں کہ حضورؐ کے روضۂ مبارک پر یاد بھی کیا جاسکوں تاہم حضورؐ کے اس ارشاد سے جرأت ہوتی ہے، الطالح لی" یعنی گنہگار میرے لئے۔ امید ہے آپ اس دربار میں پہنچ کر مجھے فراموش نہ فرمائیں گے۔"

ان ہی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"میں آپ کے وجود کو غنیمت تصور کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا اخلاص اور وہ محبت جو آپ کو حضورِ رسالتمآب سے ہے آپ کے خاندان پر بہت بڑی برکات کے نزول کا باعث ہوگی۔"

انہیں روضۂ رسولؐ کی زیارت کا بے حد شوق تھا۔ ان ہی کو ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"حج بیت اللہ کی آرزو تو گذشتہ دو تین برس سے میرے دل میں بھی ہے۔ خدا تعالیٰ ہر پہلو سے استطاعت

عطا فرمائے تو مزید برکت کا باعث ہو۔ چند روز ہوئے سر اکبر حیدری وزیر اعظم حیدر آباد کا خط مجھ کو ولایت سے آیا تھا جس میں وہ لکھتے تھے کہ حج بیت اللہ اگر تمہاری معیت میں نصیب ہو تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ لیکن درویشوں کے قافلہ میں جو لذت و راحت ہے وہ امیروں کی معیت میں کیونکر نصیب ہو سکتی ہے۔"

(بنام سید غلام میراں شاہ)۔

وفات سے ایک سال پہلے بھی ان کے دل میں یہ خواہش موجزن تھی۔ سر راس مسعود کے نام جو کہ ان کے جگری دوست تھے لکھتے ہیں:۔

"امسال دربار حضورؐ میں حاضری کا قصد تھا مگر بعض موانع پیش آگئے۔ انشاء اللہ امید ہے کہ سال (آئندہ) حج بھی کروں گا اور دربار رسالت میں بھی حاضری دوں گا اور وہاں سے ایک ایسا تحفہ لاؤں گا کہ مسلمانانِ ہند یاد رکھیں گے۔" (۱۵ جنوری ۱۹۳۷ء)

"چراغِ سحری ہوں بجھا چاہتا ہوں۔ تمنا ہے کہ مرنے سے پہلے قرآن حکیم سے متعلق اپنے افکار قلمبند کر جاؤں جو تھوڑی سی ہمت و طاقت ابھی مجھ میں باقی ہے اسے اسی خدمت کے لئے وقف کرنا چاہتا ہوں تاکہ قیامت کے دن آپ کے جدّ امجد (حضور نبی اکرمؐ) کی زیارت مجھے اس اطمینانِ خاطر کے ساتھ میسّر ہو کہ اس عظیم الشان دین کی جو حضورؐ نے ہم تک پہنچایا کوئی خدمت بجا لا سکا۔"

حضور اکرمؐ سے عقیدت ان کی شخصیت میں کس طرح رچی بسی ہوئی تھی اس کا اندازہ ان کے ایک اور خط سے ہوتا ہے جو انہوں نے الیاس برنی کے نام لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"۳ اپریل کی رات ۳ بجے کے قریب (میں اس شب بھوپال میں تھا) میں نے سر سید علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا پوچھتے ہیں تم کب سے بیمار ہو میں نے عرض کیا دو سال سے اوپر مدت گذر گئی۔ فرمایا حضورؐ رسالت مآب میں عرض کرو۔ میری آنکھ اسی وقت کھل گئی اور اس عرضداشت کے چند شعر جواب طویل ہو گئی ہے میری زبان پر جاری ہو گئے۔ انشاء اللہ ایک مثنوی فارسی "پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق" نام کے ساتھ یہ عرضداشت شائع ہو گی۔ ۴ اپریل کی صبح سے میری آواز میں کچھ تبدیلی شروع ہوئی۔ اب پہلے کی نسبت آواز صاف ہے اور اس میں وہ رنگ (RING) عود کر رہا ہے جو انسانی آواز کا خاصہ ہے۔"

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عشقِ رسولؐ ان کے رگ و پے میں سمایا ہوا تھا اور ان کی جذباتی زندگی اور روحانی واردات کی دنیا میں بھی اہم مقام رکھتا تھا۔

وہ عشقِ رسولؐ کے تقاضوں سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ وہ اس دین کی خدمت بجالانے کو حضورؐ کی شفاعت کا وسیلہ سمجھتے تھے۔ حضورؐ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں:

تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
مری دانش ہے افرنگی مرا ایماں ہے زنّاری

وہ ہندوستان میں مسلمانوں کی دینی بے حسی اور اسلام سے بے پروائی پر متفکر تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اسلام نے جو معاشرتی خدّوخال اجاگر کئے ہیں، مسلمان پھر ان کی طرف لوٹ چلیں۔ عجمی نظریات نے اسلام کو خاصا نقصان پہنچایا تھا وہ اس کے ازالے کے لئے کوشاں تھے۔ وہ منشی سراج الدین کے نام ایک خط میں یوں لکھتے ہیں:۔

"ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں ہیں۔ ان کو عربی اسلام سے اور اس کے نصب العین اور غرض و غایت سے آشنائی نہیں۔ ان کے لٹریری آئیڈیل بھی ایرانی ہیں اور سوشل نصب العین بھی ایرانی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مثنوی میں حقیقی اسلام کو بے نقاب کروں جس کی اشاعت رسول اللہ صلعم کے منہ سے ہوئی۔"

صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کے نام ایک خط میں انہوں نے قرآنِ حکیم کے قوانین کی ابدیت کو ثابت کرنے کے بارے میں یوں لکھا ہے:۔

"میرا عقیدہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطۂ نگاہ سے زمانۂ حال کے جورس پروڈنس (JURISPRUDENCE) پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کریگا وہی اسلام کا مجدّد ہوگا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا۔ میری ناقص رائے میں مذہب اسلام اس وقت گویا زمانے کی کسوٹی پر کسا جارہا ہے اور شاید تاریخ اسلام میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔"

وہ اس موضوع پر لکھنے کا ارادہ کر چکے تھے لیکن موت کے بے رحم ہاتھ نے انہیں اپنا یہ منصوبہ پایۂ تکمیل تک پہنچانے نہ دیا۔ آخر عمر میں ان کا حال یہ تھا کہ وہ قرآن حکیم اور مثنوی مولینا رومؒ کے علاوہ ہر قسم کا مطالعہ چھوڑ بیٹھے تھے۔ حکیم محمد حسین عرشی کے نام لکھتے ہیں:۔

"آپ اسلام اور اس کے حقائق کے لذت آشنا ہیں۔ مثنوی رومی کے پڑھنے سے اگر قلب میں گرمیٔ شوق پیدا ہوجائے تو اور کیا چاہیئے؟ شوق خود مرشد ہے۔ میں ایک مدت سے مطالعہ کتب ترک کرچکا ہوں۔ اگر کبھی

کہ اسلامیّت کیا چیز ہے اور وطنیّت کیا چیز ہے ۔ وطنیّت ان کے نزدیک وطن کا محض ایک مشتق ہے اور بس"

عالمِ اسلام میں وطنیّت کے بت کی پرستش سب سے پہلے ترکی میں ہوئی جسکی وجہ سے خلافتِ عثمانیہ پارہ پارہ ہوگئی ۔ اقبال ترکوں کے بارے میں مایوس نہیں تھے ۔ انہیں یقین تھا کہ ترک ایک بار پھر اسلام کی طرف متوجہ ہوں گے ۔ حال ہی میں ترکی میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے بارے میں جو خبریں آنا شروع ہوئی ہیں ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال نے آج سے ۴۰ برس پہلے جو اندازہ لگایا تھا وہ درست تھا ۔ اقبالؔ مولیٰنا مسعود عالم ندوی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں : ۔

"ترکوں کے متعلق مایوس نہیں ہونا چاہیئے ۔ ان کے ایک خدا پرست جرنیل کے الفاظ ہیں یہ الحادی ہوا آئی ہے ۔ کچھ دنوں کے بعد نکل جائے گی ۔ جو کچھ ہوا جذبۂ وطن پرستی بلکہ توران پرستی کا نتیجہ تھا ۔ اب جو عراق افغانستان، ایران اور ترکی کے معاہدہ کی تجویز ہو رہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں نے توران پرستی کو بحیثیت ایک پالیسی کے ترک کر دیا ہے ۔ "کافر نتوانی شد ناچار مسلمان شو"

علاّمہ نہ صرف ترکوں کے حالات سے اسلام کا بازوئے شمشیر زن' ہونے کی وجہ سے دلچسپی رکھتے تھے بلکہ روسی مسلمانوں کے احوال جاننے کے سلسلے میں بھی متجسس رہتے ۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں : ۔

"روس کے مسلمانوں کے بارے میں جو مضمون معارف میں شائع ہوا ہے اسے ایک علیحدہ رسالے کی صورت میں شائع ہونا چاہیئے ۔ حال کے روسی علماء کی بعض تصانیف اسلام کے متعلق اگر دستیاب ہو جائیں تو ان کا ترجمہ ہندوستان میں شائع ہونا چاہیئے ۔ میں آپ کو خط لکھنے والا تھا کہ مفتی عالم جان کے حالات معارف میں شائع کئے جائیں ۔ مسلم سٹینڈرڈ لنڈن نے ان کے کچھ حالات شائع کئے تھے ۔ آج کے معارف میں میری آرزو سے بڑھ کر مضمون لکھا گیا ۔ جزاک اللہ ۔ کیا روسی مسلمانوں میں بھی ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کے حالات کی اشاعت ہوئی تھی اس کے متعلق آگاہی کی ضرورت ہے ۔ مفتی عالم جان (روسی مصلح عالم) جنکا حال ہی میں انتقال ہو گیا ہے ان کی تحریک کی اصل غرض وغایت کیا تھی ؟ کیا یہ محض تعلیمی تحریک تھی یا اس کا مقصود ایک مذہبی انقلاب تھا"

موسیٰ جار اللہؒ مشہور روسی عالم اور مفکر جو جنگ عظیم دوئم کے زمانے میں پشاور میں دو برس نظر بند رہے اور اس اثناء میں ایک محدود اجتماع میں قرآن حکیم کا درس بھی دیتے رہے علاّمہ اقبال سے بڑی عقیدت رکھتے

تھے۔ علاّمہ ان کی فکر کے بہت مدّاح تھے۔ ان کے بارے میں مولانا سیّد سلیمان ندویؒ ہی کے نام ایک اور خط میں لکھتے ہیں :۔

"موسیٰ جار اللہ مشہور روسی عالم مفکّر یہ ہندوستان کئی بار آچکے ہیں مجھ سے مکہ معظمہ میں ان کی ملاقات ہوئی تھی یہ ترکی میں بہت سی اسلامی کتابوں کے مصنّف ہیں"۔

اقبال کی نظر برصغیر کے مسلمانوں تک محدود نہ تھی۔ دیگر مسلم ممالک کے بارے میں ان کی تڑپ اور جستجو کا اندازہ ان خطوط کے علاوہ ان کے کلام سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ کہیں وہ کاشغر سے لے کر ساحلِ نیل تک کے مسلمانوں کو حرم کی پاسبانی کے لئے اتحاد کی دعوت دیتے نظر آتے ہیں تو کہیں صقلیہ (سسلی) اور سپین میں مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی نوحہ خوانی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ افغانستان کے بارے میں تو وہ خاص طور پر مضطرب رہتے تھے۔ نادر شاہ شہیدؒ اور ظاہر شاہ کے نام جو نظمیں انہوں نے تحریر کی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ملّتِ افغانیہ کے ساتھ اسلام کی سربلندی اور خدمت کے لئے توقعات وابستہ کئے ہوئے تھے۔ قومیّت کے مغربی تصوّر نے ملّتِ اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں جو کردار ادا کیا تھا اور جس کے نتیجہ میں آج پاکستان کی سالمیت کو خطرات درپیش ہیں، اقبال اسے بجا طور پر زہرِ ہلاہل سمجھتے تھے۔ رنگ و نسل کی بنیاد پر انسانیت کی تقسیم کے بارے میں ان کے کیا نظریات تھے اس کا اندازہ مولانا حسین احمد مدنی کے جواب میں ان کی تحریر سے کیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر نکلسن کے نام ایک خط میں بھی علاّمہ نے اسی نوع کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

"اسلام ہمیشہ سے رنگ و نسل کے عقیدے کا جو انسانیت کے نصب العین کی راہ میں سب سے بڑا سنگِ گراں ہے۔ نہایت کامیاب حریف رہا ہے۔ رینان (RENAN) کا یہ خیال غلط ہے کہ سائنس اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ دراصل اسلام بلکہ کائناتِ انسانیت کا سب سے بڑا دشمن رنگ و نسل کا عقیدہ ہے اور جو لوگ نوعِ انسان سے محبّت رکھتے ہیں ان کا فرض ہے کہ ابلیس کی اس اختراع کے خلاف علمِ جہاد بلند کر دیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ قومیّت کا عقیدہ جس کی بنیاد نسل یا جغرافیائی حدودِ ملک پر ہے دنیائے اسلام میں استیلاء حاصل کر رہا ہے اور مسلمان عالمگیر اخوت کے نصب العین کو نظر انداز کر کے اس عقیدے کے فریب میں مبتلا ہو رہے ہیں جو قومیت کو ملک و وطن کی حدود میں مقید رکھنے کی تعلیم دیتا ہے اس لئے میں ایک مسلمان اور ہمدردِ نوع کی حیثیت سے انہیں یہ یاد دلانا مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کا حقیقی فرض سارے بنی آدم کی نشو و ارتقا ہے۔ نسل اور حدودِ ملک کی بنیاد پر قبائل اور اقوام کی تنظیم حیاتِ اجتماعی

کی ترقی اور تربیّت کا ایک وقتی اور عارضی پہلو ہے۔

دراصل خدا کی ارضی بادشاہت صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص نہیں بلکہ تمام انسان اسمیں داخل ہو سکتے ہیں بشرطیکہ وہ نسل اور قومیت کے بتوں کی پرستش ترک کر دیں۔ اسلام کی فطرت میں ایسے اوصاف پنہاں ہیں جن کی بدولت وہ کامیابی کے بام بلند پر پہنچ سکتا ہے۔ ذرا چین کے حالات پر نظر ڈالئے جہاں کسی سیاسی قوت کی پشت پناہی کے بغیر اسلام کے تبلیغی مشن نے غیر معمولی کامیابی حاصل کر لی اور لاکھوں انسان اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے۔ میں بیس سال سے دنیا کے افکار کا مطالعہ کر رہا ہوں اور اس طویل عرصے نے مجھ میں اس قدر صلاحیّت پیدا کر دی ہے کہ حالات و واقعات پر غیر جانبدار حیثیت سے غور کر سکوں۔ اسلام دنیاوی معاملات میں نہایت ژرف نگاہ ہے اور پھر انسان میں بے نفسی اور دنیاوی لذائذ و نعم کے ایثار کا جذبہ بھی پیدا کرتا ہے اور حسنِ معاملت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اپنے ہمسایوں کے بارے میں اسی قسم کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ یورپ اس گنجِ گراں مایہ سے محروم ہے اور یہ متاع اسے ہمارے ہی فیضِ صحبت سے حاصل ہو سکتی ہے ؟

جہاں اقبال یورپ کے نسل پرستانہ رویّے کے شدید مخالف تھے وہاں ان کے مختلف مادّہ پرستانہ نظریات کے بھی منکر تھے۔ سوشلزم جو درحقیقت یورپ ہی کا مادّہ پرستانہ اور ملحدانہ نظریہ ہے اقبال کی نظر میں سراسر غلط تھا۔ وہ تاریخ انسانی کی مادّی تعبیر کے مخالف تھے۔ چنانچہ غلام السیّدین کے نام ایک مکتوب میں تحریر کرتے ہیں :۔

" سوشلزم کے معترف ہر جگہ روحانیت اور مذہب کے مخالف ہیں اور اسکو افیون تصوّر کرتے ہیں۔ لفظ افیون اس ضمن میں سب سے پہلے کارل مارکس نے استعمال کیا تھا۔ میں مسلمان ہوں اور انشاء اللہ مسلمان مروں گا۔ میرے نزدیک تاریخ انسانی کی مادّی تعبیر سراسر غلط ہے۔ روحانیت کا میں قائل ہوں مگر روحانیت کے قرآنی مفہوم کا جس کی تشریح میں نے ان تحریروں میں جابجا کی ہے اور سب سے بڑھ کر اس فارسی مثنوی میں جو عنقریب آپ کو ملے گی۔ جو روحانیت میرے نزدیک مغضوب ہے یعنی کہ افیونی خواص رکھتی ہے اس کی تردید میں نے جابجا کی ہے۔ باقی رہا سوشلزم سو اسلام خود ایک طرح کا سوشلزم ہے جس سے مسلمان سوسائٹی نے آج تک بہت کم فائدہ اٹھایا ہے۔"

اس سے بھی بڑھ کر اقبال نے ایڈیٹر انقلاب کے نام ایک خط میں یہ صاف طور پر لکھ دیا کہ میرے نزدیک بالشویک خیالات رکھنا دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے برابر ہے۔ اس کے باوجود اگر کچھ لوگ اقبال کے چند مصرعوں

اور چند فقروں سے یہ ثابت کرنے پر مصر ہوں کہ اقبال سوشلسٹ تھے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ

بریں عقل و دانش بباید گریست

اقبال کی ذاتی زندگی کے بارے میں ان کے خطوط سے بڑھ کر کیا شہادت ہو سکتی ہے۔ اس آئینے میں بھی دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اقبال تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ اکلِ حلال کے سلسلے میں ان کے ایک استفسار سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال کی زندگی میں اسلام کے معیارِ مطلوب پر پورا اترنے کے سلسلے میں ذکاوت حس کس حد تک موجود تھی۔ وہ مولانا سید سلیمان ندوی ؒ سے پوچھتے ہیں۔

"دریافت طلب امر یہ ہے کہ موکلین وکلاء کے پاس جب مقدمات کی پیشی کے لئے آتے ہیں تو ان میں سے بعض پھل پھول یا مٹھائی کی صورت میں ہدیے آتے ہیں۔ یہ ہدایا فیس مقررہ کے علاوہ ہوتے ہیں اور وہ لوگ اپنی خوشی سے لاتے ہیں کیا یہ مال مسلمان کے لئے حلال ہے "

اقبال سلسلۂ قادریہ میں بیعت رکھتے تھے۔ اور تصوّف کے اسلامی تصوّر سے کما حقہٗ واقف تھے ان کے دل میں تصوّف کے دیگر سلسلوں کا بھی بے حد احترام موجود تھا۔ پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے نام مکتوب اولیائے کرام سے ان کی نیاز مندی اور طالب علمانہ رویّے کا شاہد ہے۔ وہ انہیں تحریر فرماتے ہیں۔

"جناب کی وسعتِ اخلاق پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لئے کھٹکھٹایا جائے۔ میں نے گذشتہ سال انگلستان میں حضرت مجددّ الف ثانی ؒ پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی اب پھر ادھر جانے کا قصد ہے اور اس سفر میں حضرت محی الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے۔ نظر بایں حال چند امور دریافت طلب ہیں۔ جناب کے اخلاق کریمانہ سے بعید نہ ہو گا اگر ان سوالات کا جواب شافی مرحمت فرمایا جائے چونکہ مقصود خدمت اسلام ہے مجھے یقین ہے کہ اس تصدیعہ کے لئے جناب مجھے معاف فرمائیں گے اور جواب باصواب سے ممنون فرمائیں گے "

یہ خطوط جو ظاہر ہے کہ نجی نوعیت کے تھے اور ان کا مقصد اشاعت نہ تھا اقبال ؒ کے نظریات کے بارے میں ایک نئی جہت کی نقاب کشائی کرتے ہیں اور ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال کے خیالات و نظریات کا منبع صرف قرآن حکیم اور اسکی تعلیمات تھیں۔ ان کے خیالات کے سرچشمے جہاں سے پھوٹتے تھے وہ اسلام کے چشمۂ رشد و ہدایت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اقبال نے مغرب کے دانشکدوں میں تعلیم حاصل کی

اور مغربی فلسفے کا گہرا مطالعہ کیا لیکن ان کے خیالات میں نٹشے اور برگسان کو تلاش کرنا سعیٔ لاحاصل ہوگی۔ پھر اقبال نہ صرف ذہنی اعتبار سے بلکہ جذبات و احساسات کی سطح پر بھی ایمان کی دولت سے مالا مال تھے۔ دنیاوی اعزازت ان کیلئے کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ سید غلام بھیک نیرنگ کے نام ایک خط میں اقبال کی یہ تحریر انہی خیالات کی ترجمان ہے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

"میں آپ کو اس اعزاز کی خود اطلاع دیتا مگر جس دنیا کے میں اور آپ رہنے والے ہیں اس دنیا میں اس قسم کے واقعات احساس سے فروتر ہیں۔ سینکڑوں خطوط اور تار آئے اور آرہے ہیں اور مجھے تعجب ہو رہا ہے کہ لوگ ان چیزوں کو کیوں گراں قدر جانتے ہیں۔ باقی رہا وہ خطرہ جس کا آپ کے قلب کو احساس ہوا ہے تو قسم ہے خدائے ذوالجلال کی جس کے قبضے میں میری جان اور آبرو ہے اور قسم ہے اس بزرگ و برتر وجود کی جس کی وجہ سے مجھے خدا پر ایمان نصیب ہوا اور مسلمان کہلاتا ہوں دنیا کی کوئی قوت مجھے حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتی انشاء اللہ۔ اقبال کی زندگی مومنانہ نہیں لیکن اس کا دل مومن ہے "۔

جہاں اقبال کے اشعار ہمیں اس کے نظریات اور اس کے فکری رجحانات کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں وہاں اقبال کے خطوط میں ہمیں ایک مومن کا جیتا جاگتا کردار نظر آتا ہے۔ جہاں اس کے نظریات کی توضیح و تشریح ملتی ہے وہاں احساسات کی سطح پر اقبال کا مومنانہ طرزِ عمل دکھائی دیتا ہے۔ یہ خطوط اس امر کے آئینہ دار ہیں کہ اقبال کے نظریات میں نہ تو مغربی فلسفے کی آمیزش تھی اور نہ ہی مروجہ فکری رجحانات سے اثر پذیری تھی۔ ان میں ایک نئی اپج، علم کے معاملے میں طالب علمانہ ذوقِ تجسس اور اسلام کے بارے میں ذکاوتِ حس پائی جاتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اقبال کے خطوط میں جو بیش قیمت علمی و فکری سرمایہ ہے اسے لوگوں کے سامنے لایا جائے اور اس آئینے میں اقبال کے شعری سرمایے کی تنقیح کی جائے۔ ادب کے میدان میں خطوط کی جو اہمیت ہے اس کے بارے میں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اقبالیات کے طالب علم امید ہے کہ اس طرف خاطر خواہ توجہ دیں گے۔